مولانا سید اخلاق حسین قاسمی دہلوی

قسط اول

خصوصیات صحابہ کرامؓ، قرآن کی روشنی میں

۱۔ جماعت صحابہ کا اتحاد خدائی معجزہ تھا۔

جس نے صحابہ کرام کے دلوں میں محبت پیدا کر کے انہیں اسلام کی عظیم قوتِ نافذہ بنا دیا۔ جس نے جماعتِ صحابہ کو "امتِ مسلمہ" کا صحیح مصداق بنا دیا۔

۲۔ جماعتِ صحابہ میں حکمِ الٰہی کی اتباع فطری صفت تھی۔

یہ دو بنیادی صفتیں ہیں، جنکی روشنی میں صحابہ کرام کا صحیح تعارف ہوتا ہے۔

۱۔ جماعت صحابہ کا اتحاد!

قرآن کریم نے جماعت صحابہ کے اتحاد و اتفاق کو جس فکر انگیز اسلوب میں بیان کیا ہے، اس پر غور کرو

وان یرید ان یجد عوک فان حسبک اللہ ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین والف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم انہ عزیز حکیم یایھا النبی حسبک اللہ ومن تبعک من المؤمنین (۶۳، ۶۴، انفال)

اس آیت میں خدا تعالٰی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چیلنج کرتے ہوئے فرمایا۔

اے نبی! اگر آپ دنیا کے تمام مادی وسائل خرچ کر کے بھی ان عربوں میں اتحاد پیدا کرنا چاہتے تو نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اللہ تعالٰی نے روحانی قوت کے ذریعہ وہ اتحاد قائم کر دیا۔

مادی وسائل، دولت اور حکومت کے ذریعہ سیاسی اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ جو سیاسی اغراض کے تحت وقتی اور عارضی ہوتا ہے۔

خدا تعالٰی نے روحانی قوت سے اتحاد قائم کیا جو دلوں میں الفت اور محبت کی صورت میں نمودار ہوا۔

دنیوی اغراض سے جو دل جڑتے ہیں وہ جلدی ٹوٹ بھی جاتے ہیں اور قلبی محبت سے دلوں میں جو جوڑ اور میل قائم ہوتا ہے وہ ناقابلِ شکست ہوتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ خدا تعالٰی نے ایک خدائی معجزہ کے ذریعہ جماعت صحابہ کو دینِ اسلام اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے لئے ایک ناقابلِ تسخیر قوت بنا دیا۔

میں اسے خدائی معجزہ سے تعبیر کر رہا ہوں، کیونکہ اس میں تمام مخلوق کے ساتھ رسول پاک کو بھی چیلنج کیا گیا ہے۔

اس کے مقابلے میں پیغمبری معجزہ وہ ہے جس میں مخلوق کو چیلنج کیا جاتا ہے، جیسے قرآن کریم کے بارے میں فرمایا۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ (بقرہ)

یہ تعبیر کا فرق ہے، ورنہ معجزہ خدا کی وہ قوت ہے جو نبی و رسولؐ کے ہاتھ پر اس کی صداقت کا نشان بن کر ظاہر ہوتی ہے۔

سورہ آل عمران (۱۵۳) میں اس اتحاد کو خدا تعالیٰ کا عظیم انعام قرار دیا۔

واذکرو نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً

یاد کرو خداوند عالم کی اس نعمت کو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر خدا تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی اور تم اس کے فضل و کرم سے بھائی بھائی ہو گئے۔

اتحاد کا نتیجہ!

دعوت و تبلیغ کے میدان میں جماعت صحابہ کا اتحاد تیرہ سالہ مکی زندگی کے مظالم و شدائد میں دیکھا گیا۔۔۔ اس ظلم و تشدد کے دور میں مظلوم صحابہ کے اندر اگر اتحاد اور تعاون نہ ہوتا تو یہ دور کیسے گزر سکتا تھا؟

سیاسی میدان میں اس اتحاد ہی کا معجزہ تھا کہ تین سو تیرہ کمزور اور بے سروسامان مسلمانوں نے ایک ہزار یعنی اپنے سے تگنی مسلح فوج پر فتح حاصل کر لی اور یہ حق کی پہلی فتح تھی۔

پھر اسی اتحاد کا نتیجہ تھا کہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ کے نئے وطن میں غربت اور بے سروسامانی کی مشکلات پر قابو حاصل کیا گیا۔

صحابہ کے درمیان مواخات!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے اندر اس فطری اور الہامی جذبہ اتحاد کو عملی شکل دینے کی غرض سے پہلے قریشی مسلمانوں (مہاجرین) میں مواخات اور بھائی چارہ قائم کرایا اور پھر مدینہ منورہ تشریف لا کر مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کرائی۔

پھر مسلم معاشرہ کو ہر قسم کے رنگ و نسل اور خاندان و قبیلہ کے امتیازات سے پاک کر کے خالص توحید پر ایک امت بنانے کے بعد مدینہ کے غیر مسلموں (یہود) کے ساتھ ایک شہری معاہدۂ امن طے کیا۔

معاہدۂ اخوت اور معاہدۂ امن کی دفعات کو دیکھ کر دنیا کا ہر دانش ور پکار اٹھتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب ترین داعی حق اور بے مثال مدبر تھے۔

خدائی معجزہ، نبوت کی طاقت

انفال (آیت نمبر ۶۴) میں جماعت صحابہ کو خدائی نصرت کے بعد نبوت کی طاقت قرار دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے آیت نمبر ۶۳ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کفایت کی طرف متوجہ کیا ہے۔ (یہ دونوں آیتیں ابھی اوپر نقل کی جا چکی ہیں)۔

اگر دشمن آپ کو دھوکا دیں تو کوئی پرواہ کی بات نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے۔ (آیت نمبر ۶۴) میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کفایت کے ساتھ صحابہ کرام کی کفایت پر بھی توجہ دلائی ہے۔

ہم اس اہم آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ ولی اللہ کی اختیار کردہ تاویل کو ترجیح دیتے ہیں، شاہ صاحب کا فارسی ترجمہ یہ ہے۔

"اے پیغمبر! کفایت است ترا خدا و کفایت کنند ترا آنانکہ پیروی تو کردہ اند از مسلمانان"۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی حضرت شاہ صاحب کی ترکیب نحوی کو پسند کیا ہے، مولانا کا ترجمہ یہ ہے۔

"اے نبیؐ! آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور جن مومنین نے آپ کا اتباع کیا ہے وہ کافی ہیں"۔

یہ ترجمہ بصرہ کے اہل نحو کی ترکیب کے مطابق ہے، یہ حضرات ومن کا عطف قرب کی وجہ سے لفظ اللہ پر کرتے ہیں..... دوسرے نحوی حسبک کے کاف خطاب پر کرتے ہیں جس سے آیت کا مفہوم بدل جاتا ہے، یعنی آپ کے لئے اور ایمان والوں کے لئے اللہ کافی ہے۔

صحابہ کرام کے بارے میں خدائی اعلان کا سبب یہی ہے کہ صحابہ کرام کو پہلی آیت میں خدائی معجزہ قرار دیا گیا ہے۔

ورنہ مادی اسباب کے لحاظ سے خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

الیس اللہ بکاف عبدہ و یخو فونک بالذین من دونہ (الزمر ۳۶)

کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندۂ خاص (حضرت محمدؐ) کے لئے کافی نہیں ہے، پھر یہ مخالفین اے نبی! آپ کو غیر اللہ کی قوتوں سے کیوں خوف زدہ کرتے ہیں؟

قرآن کریم نے کفایت و کافی ہونے کی وجہ (عبدیت خاص) بیان کرنے کی غرض سے یہ اسلوب اختیار کیا کہ پہلے فقرہ میں حضورؐ کو ضمیر غائب سے یاد کیا اور دوسرے فقرہ میں ضمیر خطاب لاکر آپ کو مخاطب فرمایا۔

ورنہ دونوں فقروں کے درمیان یکسانیت قائم کرنے کا تقاضا یہ تھا کہ دونوں میں ایک ہی قسم کی ضمیریں لائی جاتیں۔

جماعت نہیں بلکہ عصابہ!

جماعت صحابہ کے اس معجزانہ اتحاد کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی مشہور دعاء میں عصابہ کا لفظ استعمال کرکے ظاہر فرمایا۔

اللھم ان تھلک ھذہ العصابتہ لن تعبد ابداً

خداوندا! اگر تو نے اس مضبوط جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر قیامت تک تیری عبادت نہیں ہوگی۔

عصابہ عصب بمعنی پٹھے سے بنایا گیا ہے جسم کے اندر پٹھا نہایت مضبوط ہوتا ہے۔ اس لئے ایک مضبوط جماعت کو بھی عرب عصابہ کہتے تھے۔ تعصب بمعنی سختی بھی اسی سے ہے۔

(جسم کا سب سے زیادہ مضبوط جزء "عظم" ہڈی ہے، عرب عظم سے عظام نہیں بناتے کیونکہ ہڈی میں لوچ

نہیں ہوتا، یہ زور دینے سے ٹوٹ جاتی ہے پٹھا نرم ہوتا ہے، لوچ کھا جاتا ہے......یہی انسانی فطرت ہے۔)

باہمی محبت کی روشن مثالیں!

صحابہ کی پوری تاریخ باہمی محبت و الفت کی روشن مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ ذیل میں اختصار کی غرض سے صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ ایک واقعہ سیدہ خاتونِ جنتؓ کی تعریف میں حضرت عائشہؓ کا قول۔

۲۔ دوسرا حضرت عمرؓ کی تعریف میں حضرت علی کا قول۔

حضرت عائشہ صدّیقہؓ کی تعریف!

حضرت عائشہؓ حضرت سیدہ زہرا کی عرف عام کے لحاظ سے سوتیلی ماں ہیں، ایک سوتیلی ماں اپنی سوتیلی بیٹی کی تعریف میں کیا کہتی ہے۔

ما رایت احداً کان اشبہ سمتاً وھدیاً و دلاً و کلاماً برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فاطمة (مشکوٰۃ ۴۵۲)

عربی کے ان چار جامع لفظوں میں عرب کی ایک زبان داں خاتون نے اپنی ممدوحہ کو رسول اکرم کے ساتھ مکمل مشابہت دینے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ مقام نبوت کی انفرادیت اپنی جگہ ہے۔

تاریخ کی نزاعی بحثوں کو سامنے رکھ کر غور کرو۔ تعریف کرنے والی ماں کا دل اس بیٹی کی محبت میں کتنا مخلص ہے، آئینہ سے زیادہ صاف اور شفاف ہے۔

حضرت علیؓ کی تعریف!

حضرت علیؓ کی تعریف کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ بیت المال کے خارش زدہ اونٹوں پر خارش کا تیل اپنے ہاتھ سے مل رہے تھے، دھوپ تیز تھی اور آپ کے سر پر رومال پڑا ہوا تھا۔

اس وقت اتفاق سے حضرت علیؓ اور حضرت عثمان غنیؓ ادھر آ نکلے، حضرت علیؓ نے کہا اے عمرؓ! یہ خدمت کسی غلام سے لے لی ہوتی..... حضرت عمرؓ نے فرمایا علیؓ! قوم کا سردار قوم کا خادم ہی ہوتا ہے۔ سید القوم خادمھم، حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

حضرت شعیب کی بیٹی نے جس اجیر و مزدور کی تعریف میں کہا تھا۔

ان خیر من استاجرت القوی الامین (قصص ۲٦)

ابا! بہترین اجیر وہ ہے جو طاقت ور اور امانت دار ہو۔

اے عثمان! عمر ابن خطاب اس کا صحیح مصداق ہیں۔

کیا ان تعریفوں میں اخلاص و للّٰہیت کا جذبہ محسوس نہیں ہوتا؟

کیا ان بلند اوصاف حضرات میں منافقت اور ریاکاری کا تصور کرنا انسانیت کی توہین نہیں۔

حضرات صحابہ کا ظاہر و باطن ایک تھا

قرآن کریم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنے والوں کی تعریف میں کہا۔

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص (الصف ۴)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو پسند کرتا ہے، ان سے محبت کرتا ہے جو راہ خدا میں لڑتے ہیں صف بستہ ہو کر گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

اس کے مقابلہ میں منافقوں اور کافروں کے متعلق کہا گیا۔

باسھم بینھم شدید تحسبھم جمیعاً و قلوبھم شتے ذالک بانھم قوم لا یعقلون (حشر ۱۴)

ان دشمنانِ حق کے اندر شدید قسم کا اختلاف اور سخت دشمنی ہے، اے مخاطب! تم ان کو متحد سمجھتے ہو حالانکہ ان کے دل آپس میں پھٹے ہوئے ہیں اور ان کا یہ حال اس لئے ہے کہ یہ عقل و دور اندیشی سے محروم ہیں۔

دشمنانِ اسلام (کفار قریش ہوں یا مدینہ کے منافقین اور یہود) ان کا رسول پاکؐ کے مقابلہ میں اتفاق و اتحاد کسی مثبت اصول پر قائم نہیں تھا۔ بلکہ مخالفتِ رسولؐ کے منفی تصور نے انہیں ایک جگہ جمع کو دیا تھا۔ اور ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ کسی منفی مقصد پر اتفاق پائیدار نہیں ہوتا۔ جبکہ ان کے مدمقابل حضرات صحابہ کرام کو ایک مثبت مقصدِ حیات (اسلام، اطاعتِ رسولؐ) نے اندر اور باہر دونوں جہتوں سے متحد کر دیا تھا۔

۲۔ جماعت صحابہ کی دوسری خصوصیت

فطری حکم برداری، فطری اسلام

محمد رسول اللہ والذین معہ اشدآء علی الکفار رحمآء بینھم ترھم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ و رضواناً سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ذالک مثلھم فی التوزۃ و مثلھم فی الانجیل (فتح ۲۹)

اس اہم آیت کے اس خاص فقرہ پر غور کرو۔

سخت ہیں کافروں کے مقابلہ میں، رحم دل ہیں آپس میں۔

سختی اختیار کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان کے ساتھ ظلم و تشدد یا بد خلقی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ بلکہ یہ مطلب کہ وہ اپنے ایمان و عمل میں اتنے مضبوط ہیں کہ کسی دشمن کے خوف یا کسی دوست کے لالچ سے کمزور نہیں ہوتے، کسی سے دبتے نہیں عربی میں فلاں شدید علیہ کا یہی مفہوم ہے۔

اس کے مقابلہ میں رحماء بینھم کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ صحابہ کرام حدود شرع کے دائرہ میں رہ کر آپسی معاملات میں نرمی اختیار کرتے ہیں، ایک دوسرے بھائی کے ساتھ جھکاؤ اور شفقت کا معاملہ کرتے ہیں۔

جس طرح خدا تعالیٰ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔ (بقیہ صـ۴۳ پر دیکھیں)